Scholar Insight Journal
https://scholarinsightjournal.com/
Volume.4, Issue.1 (Jan-Mar-2026)
Acceptance Date26-02-2026

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X
Publication Date: 15-03-2026

مولانا وحیدالدین خاں کا عقلی اسلوبِ تفسیر: تذکیر القرآن کا مطالعہ

Maulana Wahiduddin Khan's Rational Method of Interpretation: A Study of Tazkir-ul-Quran

Amjid Ali
Ph.D Scholar, Institute of Islamic Studies & and Sharia, MY University, Islamabad, amjidchishti786@gmail.com

Dr. Muhammad Naveed
Assistant Professor, Institute of Islamic Studies & and Sharia, MY University, Islamabad, h.m.naveed91@gmail.com

Abstract

This study examines the rational (ʿaqlī) exegetical approach of Maulana Wahiduddin Khan as reflected in his renowned work *Tazkir al-Qur'an*. The research explores how the author employs intellectual reasoning, reflection on natural phenomena, and contemporary scientific awareness to interpret Qur'anic verses in a manner that resonates with the modern human mind. It analyzes the methodological foundations of his tafsir, particularly his emphasis on tadabbur (deep reflection), universality of the Qur'anic message, and its relevance to contemporary intellectual challenges. The study further evaluates how his approach differs from traditional narrative-based (naqlī) exegesis by prioritizing rational persuasion, internal coherence of the Qur'an, and experiential understanding over extensive reliance on classical reports. Through a qualitative analytical method, selected passages from *Tazkir al-Qur'an* are examined to highlight the distinctive features of his rational style, including simplicity of language, thematic coherence, and focus on spiritual awakening. The research concludes that Wahiduddin Khan's rational approach presents a significant contribution to modern Qur'anic studies by bridging the gap between classical Islamic scholarship and contemporary intellectual discourse, making the Qur'an more accessible and meaningful for present-day readers.

Keywords: Rational Exegesis, Wahiduddin Khan, Tazkir al-Qur'an, Qur'anic Interpretation, Tadabbur, Contemporary Tafsir, Intellectual Approach, Modern Islamic Thought

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X
Publication Date: 15-03-2026

مقدمہ

قرآنِ مجید کی تفسیر ہر دور میں اہلِ علم کے لیے ایک اہم علمی میدان رہی ہے، جس میں مفسرین نے اپنے اپنے عہد کے فکری تقاضوں کے مطابق مختلف اسالیب اختیار کیے،اور عصرِ حاضر میں جبکہ انسانی فکر سائنسی شعور اور عقلی استدلال سے زیادہ متاثر ہے، مولانا وحیدالدین خاں کی تفسیر تذکیر القرآن ایک نمایاں مثال کے طور پر سامنے آتی ہے، جس میں انہوں نے قرآن کو ایک عقلی، فکری اور دعوتی اسلوب میں پیش کرتے ہوئے تدبر، فطرت کے مشاہدے اور انسانی تجربے کو بنیاد بنایا،اور روایتی نقلی مباحث کی بجائے قرآن کے پیغام کو جدید ذہن کے لیے قابلِ فہم اور مؤثر بنانے کی کوشش کی؛ چنانچہ زیرِ نظر مقالہ ان کے اسی عقلی اسلوبِ تفسیر کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرتا ہے،تاکہ یہ واضح کیا جاسکے کہ ان کا منہج معاصر فکری چیلنجز کے تناظر میں کس حد تک مؤثر، بامعنی اور قابلِ اطلاق ہے۔

مولانا وحیدالدین خان کے حالات زندگی

آپ کی پیدائش

مولانا وحیدالدین خان یکم جنوری 1925ء کو اتر پردیش کے ضلع اعظم گڑھ کے ایک دور دراز دیہی علاقے میں پیدا ہوئے۔ کم عمری ہی میں، یعنی تقریباً چار سال کی عمر میں، وہ والد کی شفقت سے محروم ہو گئے۔ چونکہ ان کی ابتدائی زندگی ایک گاؤں کے سادہ اور فطری ماحول میں گزری، اس لیے ان کی شخصیت اور فکر میں بھی دیہی زندگی کی سادگی، فطریت اور بے ساختگی نمایاں طور پر جھلکتی ہے، جس کا اعتراف وہ خود اپنے ان الفاظ میں بیان میں کرتے ہیں۔[1]

آپ کی ابتدائی تعلیم

مولانا وحیدالدین خان نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں کے ایک مدرسے میں حاصل کی، جہاں صرف ایک ہی استاد، مولانا فیض الرحمن اصلاحی (وفات 1972ء)، تدریسی فرائض انجام دیتے تھے۔ اگرچہ ان کے خاندانی ماحول میں انگریزی زبان کو خاص اہمیت حاصل تھی، جس کی مثال ان کے چچازاد بھائی اقبال احمد سہیل (وفات 1955ء) ہیں جنہوں نے علی گڑھ کالج کے ابتدائی بیچ میں ایم اے انگلش کی ڈگری حاصل کی، تاہم مولانا نے اس کے برعکس دینی تعلیم کو ترجیح دیتے ہوئے قرآنِ مجید، اردو، فارسی اور عربی کی تحصیل پر توجہ مرکوز رکھی۔ کم عمری میں والد کے انتقال کے باعث ان کی پرورش اور کفالت ان کے چچا صوفی عبدالمجید خان (وفات 1947ء) نے سنبھالی، اور انہی کی ترغیب پر 1938ء میں انہیں معروف دینی ادارے مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر میں داخل کرایا گیا۔ اس ادارے میں تعلیم کے دوران ایک اہم واقعہ نے ان کی فکری زندگی کا رخ متعین کیا؛ چنانچہ تقریباً 1940ء میں، جب مولانا امین احسن اصلاحی (وفات 1998ء) صدر مدرس تھے، ایک درس کے دوران آیت "وَإِلَی

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X
Publication Date: 15-03-2026

الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ[2]" کی تشریح کرتے ہوئے انہوں نے طلبہ سے سوال کیا کہ اونٹ کے سم پھٹے ہوئے ہوتے ہیں یا جڑے ہوئے، مگر کوئی بھی طالب علم یقین کے ساتھ جواب نہ دے سکا۔ اس موقع پر انہوں نے عربی مقولہ "لا أدري نصف العلم" کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ اپنی لاعلمی کا ادراک علم کی ابتدا ہے، کیونکہ جب تک انسان اپنے نہ جاننے سے آگاہ نہ ہو، اس میں جستجو اور تحقیق کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا؛ اگر طلبہ اپنی لاعلمی سے باخبر ہوتے تو بارہا اونٹ دیکھنے کے باوجود اس کے سم کی حقیقت سے ناواقف نہ رہتے۔ میری ابتدائی زندگی کا یہ واقعہ گویا میرے تذکیری سفر کے لیے ایک رجحان ساز (trend setter) واقعہ بن گیا۔[3]

اس طرح مولانا وحید الدین خان نے اپنی تعلیم مدرسۃ الاصلاح سے مکمل کی، اور یہ ادارہ اپنے مخصوص علمی پس منظر اور منفرد فکری منہج کے باعث ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے، جس کے اثرات مولانا کی شخصیت اور فکر پر براہِ راست اور بالواسطہ دونوں صورتوں میں مرتب ہوئے، چنانچہ ان کی علمی و فکری تشکیل میں اس ادارے کے اصول، رجحانات اور تعلیمی ماحول کی جھلک نمایاں طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔

دعوتی سفر

1950ء میں پچیس برس کی عمر میں مولانا وحید الدین خان نے "من انصاری الی اللہ" کے عنوان سے ایک ادارے کی بنیاد رکھی، جس کا مقصد دعوتِ دین کو منظم انداز میں آگے بڑھانا تھا، بعد ازاں اسی مشن کو وسعت دیتے ہوئے انہوں نے "ادارہ اشاعتِ اسلام" کے نام سے اپنی دعوتی سرگرمیوں کو جاری رکھا اور اسے ایک باقاعدہ فکری و اشاعتی تحریک کی صورت دے دی۔[4] مولانا وحید الدین خان کی ابتدائی فکری وابستگی جماعتِ اسلامی سے تھی، جہاں انہوں نے سادگی، زہد اور دعوتی انہماک کی عملی مثال قائم کی۔ وہ اقامتِ دین کے مقصد کے لیے ہمہ وقت سرگرم رہے اور جماعتِ اسلامی ہند میں شعبۂ نشر و اشاعت کی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے دین کی اشاعت و ابلاغ کو اپنی فکر کا مرکز بنائے رکھا۔ ان کی شخصیت میں سادگی، قناعت اور مقصد کے ساتھ غیر معمولی یکسوئی نمایاں تھی، جس نے انہیں اپنے معاصرین میں ایک منفرد مقام عطا کیا۔۔5 مولانا وحید الدین خان کے فکری سفر میں مختلف دینی و دعوتی حلقوں سے وابستگی اور پھر ان سے علیحدگی ایک اہم پہلو رہا۔ ابتدا میں وہ جماعتِ اسلامی سے وابستہ رہے اور اسلامی نظام کے قیام کے جذبے کے تحت سرگرم کردار ادا کیا، مگر بعد ازاں بعض فکری اختلافات کے باعث جماعت سے الگ ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے تبلیغی جماعت، ندوۃ العلماء اور جمعیت علماء ہند سے بھی وابستگی اختیار کی، لیکن فکری جمود، شخصیت پرستی اور بعض تنظیمی و سیاسی رجحانات سے عدم مطابقت کے باعث وہاں بھی مطمئن نہ ہو سکے۔ بالآخر انہوں نے تمام تنظیمی وابستگیوں سے الگ ہو کر 1976ء میں ماہنامہ "الرسالہ" جاری کیا، جو ان کے مستقل فکری، دعوتی اور اصلاحی منہج کا عملی

CC BY

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X
Publication Date: 15-03-2026

ترجمان بن گیا۔

اس ساری جدوجہد کو مولانا ماہنامہ تذکیر میں یوں بیان کرتے ہیں:

> ''میرے ذہن میں اوّل روز سے یہ تھا کہ مجھے اپنی کوئی علیحدہ جماعت بنانا نہیں ہے بلکہ موجودہ جماعتوں اور اداروں سے مل کر کام کرنا ہے۔ اس سلسلے میں میں اکثر بڑی جماعتوں اور اداروں کے ساتھ تنظیمی طور پر وابستہ ہوا۔ مگر تجربے کے بعد معلوم ہوا کہ ہر جماعت اور ہر ادارہ، گروہی عصبیت کا شکار ہے۔ میرے جیسا آدمی کسی بھی ادارے یا جماعت کے ساتھ زیادہ فعال انداز میں کام نہیں کر سکتا۔

مولانا وحید الدین خان نے مختلف دینی و فکری اداروں سے وابستگی کے دوران اپنے تجربات کی روشنی میں بعض بنیادی فکری اختلافات محسوس کیے۔ ان کے نزدیک جماعتِ اسلامی دین کو زیادہ تر سیاسی زاویے سے پیش کرتی تھی، جس سے وہ متفق نہ تھے، چنانچہ انہوں نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ تبلیغی جماعت میں انہیں فکری وسعت اور اجتہادی تدبر کی کمی محسوس ہوئی، جبکہ ندوۃ العلماء میں شخصی رجحانات اور جمعیت علماء ہند میں سیاسی سرگرمیوں کا غلبہ ان کے مزاج سے ہم آہنگ نہ تھا۔ ان تجربات کے بعد انہوں نے 1976ء میں ماہنامہ ''الرسالہ'' جاری کیا، جسے وہ ایک مستقل فکری و دعوتی مشن سمجھتے تھے، جس کا مقصد اسلام کو سیاسی تعبیرات سے ہٹا کر خالص دعوتی اور فکری انداز میں پیش کرنا تھا۔6

مولانا وحید الدین خان کی علمی زندگی کو دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: پہلا دور 1976ء سے قبل اور دوسرا اس کے بعد کا۔ ابتدائی دور میں انہوں نے عربی زبان اور دینی علوم کی تعلیم حاصل کی، جبکہ مدرستہ الاصلاح سرائے میر میں تعلیم و تدریس نے ان کے علمی رجحان کو مزید مضبوط کیا۔ ان کا پہلا مضمون ''قرآن کا مطلوب انسان'' 1955ء میں روزنامہ ''دعوت'' میں شائع ہوا، جس کے بعد ان کی تحریریں مختلف دینی و ادبی جرائد میں مسلسل شائع ہوتی رہیں۔ 1967ء سے 1974ء تک وہ روزنامہ ''الجمعیۃ'' کے مدیر بھی رہے۔ اس عرصے میں وہ مختلف دینی و فکری حلقوں سے وابستہ رہے اور ساتھ ہی انگریزی زبان اور مغربی افکار کا گہرا مطالعہ کیا، جس سے ان کے فکری افق میں وسعت پیدا ہوئی۔ 1963ء کے بعد انہوں نے قرآن و سنت اور بنیادی اسلامی مصادر کا براہِ راست مطالعہ شروع کیا، جس نے ان کی فکری تشکیل اور علمی انہماک کو ایک نئی سمت عطا کی:

> میں اعظم گڑھ میں اپنے بڑے بھائی عبد العزیز خان کے ساتھ مقیم تھا۔ عجیب بات ہے کہ کوئی بھی شخص مجھے حوصلہ افزائی کرنے والا نہیں ملا۔ میرے بڑے بھائی نے جب یہ دیکھا کہ میں انگریزی زبان سیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں تو انھوں نے کہا پڑھا طوطا کیا پڑھے گا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار میں باقی منزل (اعظم گڑھ) میں انگریزی اخبار ہندوستان ٹائمز کھول کر اُسے دیکھ رہا تھا کہ مولانا شہباز اصلاحی وہاں آ گئے۔ انھوں نے مجھے

CC BY

دیکھ کر کہا: کچھ سمجھ بھی ہے یا یوں ہی انگریزی اخبار لے کر بیٹھے ہوئے ہو۔ اُس زمانے میں میرا یہ حال تھا کہ ہر وقت میں انگریزی کتابیں پڑھتا رہتا تھا۔ میری اس عادت پر میری ماں غصہ ہوتی تھیں اور کہتی تھیں کہ تم کسی نہ کسی دن سڑک پر کسی گاڑی سے ٹکرا جاؤ گے۔ [7]

انگریزی زبان سیکھنے کے بعد مولانا وحید الدین خان نے مغربی مفکرین اور جدید مغربی فکر کا گہرا مطالعہ شروع کیا۔ وہ مہتاب لائبریری میں طویل وقت گزار کر فلسفہ، سماجی علوم اور جدید افکار سے متعلق اہم کتابیں پڑھتے رہے۔ اگرچہ اس نوعیت کا مطالعہ عموماً انسان کو مغربی نظریات سے متاثر کر دیتا ہے، لیکن مولانا کے معاملے میں اس کے برعکس ان کے ایمان اور فکری گہرائی میں اضافہ ہوا۔ ان کے مطابق وسیع مطالعے نے ان کے ذہن کو نئے سوالات اور وسیع تر فکری تناظر سے آشنا کیا، جس سے دینی فہم مزید مضبوط ہوا۔ وہ مغربی فکر کو محض قبول کرنے کے بجائے تنقیدی شعور اور علمی تجزیے کے ساتھ دیکھنے کے قائل تھے، اور اسی انداز میں انہوں نے اس کے اثرات کو اپنی فکر میں شامل کیا۔

یہ 1966ء کی بات ہے میں نے طے کیا کہ میں برٹرینڈ رسل (۱۹۷۰ء۔۱۸۷۲ء) کو پڑھ ڈالوں۔ خوش قسمتی سے میرے قریب شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ کی لائبریری میں مجھے رسل کی کتابوں کا پورا سیٹ مل گیا۔ مگر جب میں اُن کتابوں کو لے کر گھر پہنچا تو میری بیوی ان کو دیکھ کر بہت متوحش ہوئیں۔ اب آپ ضرور گمراہ ہو جائیں گے انھوں نے کہا۔ رسل اس دور میں معروف ترین ملحد ہے۔ اس لحاظ سے اس کی تصنیفات کو پڑھنا عام دینی ذوق کے مطابق خطرے سے خالی نہ تھا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ میں رسل کی دنیا میں داخل ہو کر اس طرح اُس سے نکلا کہ میرا ایمان پہلے سے زیادہ پختہ ہو چکا تھا۔ [8]

مولانا وحید الدین خان کی علمی اور دعوتی زندگی ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتی ہے، تاہم اسے دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: 1976ء سے قبل اور بعد کا دور۔ ابتدائی زمانے میں انہوں نے عربی زبان اور دینی علوم کی تعلیم حاصل کی، جبکہ مدرستہ الاصلاح میں تعلیم نے ان کے دینی رجحان کو مزید مضبوط کیا۔ 1955ء میں ان کا پہلا مضمون "قرآن کا مطلوب انسان" شائع ہوا، جس کے بعد وہ مختلف دینی و ادبی جرائد میں لکھتے رہے، اور 1967ء سے 1974ء تک روزنامہ "الجمعیۃ" کے مدیر بھی رہے۔ اس عرصے میں انہوں نے انگریزی زبان سیکھی اور مغربی مفکرین کا مطالعہ کیا، جس سے ان کے فکری افق میں وسعت پیدا ہوئی۔ 1963ء میں انہوں نے قرآن و سنت کے بنیادی مصادر کی روشنی میں دین کا از سر نو مطالعہ شروع کیا۔ ان کی کتابیں "علم جدید کا چیلنج" (1966ء) اور "الاسلام" (1975ء) ان کے فکری ارتقاء کے اہم مراحل شمار ہوتی ہیں۔ پھر 1976ء میں ماہنامہ "الرسالہ" کے اجراء کے ساتھ ان کی علمی و دعوتی زندگی ایک منظم فکری مشن کی شکل اختیار کر گئی، جس کا مقصد اسلام کو عصری

اور خالص دعوتی اسلوب میں پیش کرنا تھا۔9

ماہنامہ "الرسالہ" ابتدا میں ایک علمی و فکری رسالے کے طور پر جاری ہوا، لیکن جلد ہی یہ مولانا وحید الدین خان کے منظم دعوتی مشن کی شکل اختیار کر گیا، جس کا مقصد اسلام کو جدید فکری اسلوب میں پیش کرنا اور خصوصاً مغربی دنیا تک اس کا پیغام پہنچانا تھا۔ ان کے فکری نظام میں تصورِ خدا اور انذارِ آخرت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، جبکہ نبوت اور اجتماعی دینی نظم کو وہ اسی بنیادی مقصد کے معاون عناصر کے طور پر دیکھتے ہیں۔ یہی زاویہ ان کی تحریروں اور خصوصاً "تذکیر القرآن" میں نمایاں ہے، جہاں انفرادی اصلاح، فکری بیداری اور داخلی تبدیلی پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ان کے اسلوب میں سیاسی یا اجتماعی پہلو نسبتاً کم دکھائی دیتا ہے، جس کے باعث ان کا خطاب مغربی قارئین کے لیے نسبتاً غیر متنازع اور قابلِ قبول انداز اختیار کر لیتا ہے:۔

> میں اپنے تفصیلی مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کی تعلیمات مکمل طور پر خدا اور آخرت کے مرکزی تصور پر مبنی ہیں۔ اسلامی میں دعوت دراصل انذار آخرت کی دعوت ہے۔ انسان کے اندر متقیانہ ذہن بنانا اور اس کے اندر ربانی شخصیت کی تعمیر کرنا، یہی اسلام کی دعوت کا اصل نشانہ ہے۔ یہی میرا ذہن پہلے بھی تھا اور یہی ذہن آج بھی ہے۔"10

ماہنامہ "الرسالہ" کے اجرا کے بعد مولانا وحید الدین خان کی فکری کاوشوں کو بین الاقوامی سطح پر بھی توجہ حاصل ہونے لگی۔ اس رسالے کے ذریعے ان کے خیالات بالخصوص مغربی فکری حلقوں تک پہنچے، جس کے نتیجے میں مختلف ممالک سے انہیں اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت اور خطاب کے لیے دعوت نامے موصول ہونے لگے۔ ابتدا میں ان کی شرکت زیادہ تر ملکی سطح کی علمی و فکری کانفرنسوں تک محدود تھی، تاہم "الرسالہ" کی اشاعت کے بعد ان کی فکری پذیرائی کا دائرہ وسیع ہو کر عالمی سطح تک پھیل گیا۔ اس بین الاقوامی توجہ اور قبولیت کا اعتراف وہ خود بھی اپنی تحریروں اور بیانات میں کرتے ہیں:۔[11]

خدمات

مولانا وحید الدین خان کی شخصیت اور ان کی علمی و دعوتی خدمات کے بارے میں اہلِ علم اور مختلف سکالرز کی آرا میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان کی فکر سے بعض طبقات کو اختلاف یا ناگواری بھی ہوئی، لیکن اس کے باوجود ایک بڑی تعداد نے ان کے افکار سے استفادہ کیا اور ان سے فکری رہنمائی حاصل کی۔ ان کے اثرات کا دائرہ محدود نہیں بلکہ وسیع سطح پر محسوس کیا جاتا ہے، اور ان کی علمی و دعوتی خدمات کو مکمل طور پر نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ ان کی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ان کا جامع جائزہ لینے کے لیے مستقل مطالعے اور تجزیے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، جن میں ان کے نمایاں علمی و دعوتی کام درج ذیل صورت میں سامنے آتے ہیں:۔

CC BY

1. مولانا وحید الدین خان نے اپنی دعوتی سرگرمیوں کو سیاسی مقاصد سے الگ رکھتے ہوئے دین کی بنیادی اور خالص مذہبی دعوت پر توجہ مرکوز کی، جس میں ان کا اصل زور فرد کی فکری اور روحانی اصلاح پر رہا۔
2. ماہنامہ "الرسالہ" ایک ایسا فکری و دعوتی مشن ثابت ہوا جس نے نہ صرف مسلم قارئین کو متاثر کیا بلکہ غیر مسلم طبقوں تک بھی اسلام کا پیغام ایک نئے اور قابلِ فہم اسلوب میں پہنچایا۔
3. "سنٹر فار پیس اینڈ اسپرچوئلٹی (Center for Peace and Spirituality)" ایک ہفتہ وار تعلیمی و فکری پلیٹ فارم ہے، جو بالخصوص انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو دینی شعور اور دعوتی فکر سے روشناس کرانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، اور یہ ایک قابلِ قدر عملی کاوش سمجھی جاتی ہے۔12

مولانا وحید الدین خان کے نزدیک تفسیرِ قرآن کا بنیادی مقصد

مولانا وحید الدین خان کے نزدیک تفسیرِ قرآن کا بنیادی مقصد محض علمی و فنی تجزیہ نہیں بلکہ "تذکیر و نصیحت" ہے۔ ان کے مطابق قرآن کا اصل اسلوب دعوتی اور اثر انگیز ہے، اس لیے تفسیر میں بھی سادگی، براہِ راست خطاب اور روحانی تاثیر کو برقرار رکھنا ضروری ہے۔ تاہم وہ علمی تفصیلات کی اہمیت سے انکار نہیں کرتے، بلکہ ان کے نزدیک بہتر منہج یہ ہے کہ تفسیر کو تذکیری رکھا جائے اور لغوی، نحوی، فقہی و تاریخی مباحث کو ایک مستقل علمی ذخیرے، جیسے "قاموس القرآن"، میں مرتب کیا جائے۔ ان کی تفسیر "تذکیر القرآن" اسی عملی اصول کی نمائندہ ہے۔ قرآن اپنی ماہیت کے اعتبار سے ایک دعوتی اور ہدایتی کتاب ہے، جس کا ہدف انسانی تزکیہ اور شعوری بیداری ہے، نہ کہ محض معلومات کی فراہمی۔ اس میں سائنسی، تاریخی اور کونیاتی اشارات موجود ہیں، مگر ان کی تفصیلی تعبیر کو بعد کے اہلِ علم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ تکرارِ مضامین اور اسلوبی تنوع کے ذریعے قرآن حقائق کو انسانی شعور اور روح کا حصہ بناتا ہے، جس سے محض ذہنی علم اور حقیقی ہدایت میں امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کا مرکزی پیغام انسان کو اس کے ابدی انجام سے آگاہ کرنا اور دنیا کو امتحان گاہ کے طور پر متعارف کرانا ہے۔ یہ فطرت اور کائنات میں موجود اشارات کو واضح ہدایت میں بدلتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے ذریعے ایک عملی نمونہ بھی فراہم کرتا ہے، جس سے دین محض نظری تعلیم نہیں رہتا بلکہ تاریخی و عملی حقیقت بن جاتا ہے۔ اسی بنا پر تفسیر میں تاریخی سیاق اور آفاقی پیغام کے مابین توازن ناگزیر ہے۔ مزید برآں، قرآن کو محض فضائل، فقہ، سیاست یا ظاہری عبادات تک محدود کرنا اس کے ہمہ گیر مقصد کے منافی ہے۔ اس کا اصل ہدف ایک ایسے ایمان اور کردار کی تشکیل ہے جو انسان کی پوری شخصیت کو بدل دے۔ عبادات بھی اسی وقت مؤثر ہوتی ہیں جب ان میں اخلاص اور باطنی کیفیت شامل ہو۔ چنانچہ قرآن ایک جامع نظامِ ہدایت ہے جو فکر، عمل اور روحانیت کو یکجا کرتا ہے۔ انبیاء کے مشن کو بھی محض سیاسی تناظر میں محدود کرنا درست نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ

انبیائی دعوت کا مقصد اقتدار نہیں بلکہ ہدایت، تربیت اور اخلاقی اصلاح ہے۔اس لیے قرآن کو ایک زندہ، روح پرور اور ہمہ گیر ہدایت کے طور پر سمجھنا چاہیے، نہ کہ ایک جامد یا محض نظری متن کے طور پر۔

قرآن فہمی کی شرائط

قرآن ایک فکری کتاب ہے اور فکری کتاب میں ہمیشہ ایک سے زیادہ تعبیر کی گنجائش رہتی ہے۔اس لیے قرآن کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پڑھنے والا خالی الذہن ہو۔اگر پڑھنے والے کا ذہن خالی نہ ہو تو وہ قرآن میں خود اپنی بات پڑھے گا۔اس کو سمجھنے کے لیے قرآن کی ایک آیت کی مثال دیکھئے: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَاداً يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُباً لِّلَّهِ.13

کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا مدمقابل بناتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ کے ساتھ ہونا چاہیے حالانکہ ایمان رکھنے والے سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

سیاسی ذہن رکھنے والا قاری جب قرآن کو پڑھتا ہے تو وہ اپنے رجحانات کے زیرِ اثر آیات کے الفاظ، مثلاً "مدِ مقابل"، کو سیاسی مفہوم میں لے کر انہیں اقتدار کی کشمکش پر منطبق کر دیتا ہے اور یوں آیت کو تصادم کے جواز کے طور پر سمجھنے لگتا ہے، جبکہ ایک سادہ اور غیر متعصب ذہن رکھنے والا قاری پوری آیت کے سیاق کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ یہاں مدِ مقابل ہونے کا تعلق سیاست سے نہیں بلکہ محبت اور عقیدت سے ہے، یعنی اللہ کے ساتھ شدید محبت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے؛ اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کے صحیح فہم کے لیے ذہنی تجرد بنیادی شرط ہے، کیونکہ سابقہ نظریاتی وابستگیاں آیات کے اصل پیغام تک رسائی میں رکاوٹ بن جاتی ہیں، تاہم محض خالی الذہن ہونا کافی نہیں بلکہ قرآن کے گہرے معانی تک پہنچنے کے لیے عملی وابستگی بھی ضروری ہے، اس لیے کہ قرآن ایک عملی ہدایت نامہ ہے اور اس کی حقیقی تفہیم اسی وقت ممکن ہوتی ہے جب انسان اس کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں برتتے ہوئے ان تجربات سے گزرے جن کی طرف قرآن رہنمائی کرتا ہے۔

قرآنی عمل اپنی اصل کے اعتبار سے نہ سیاسی ہے نہ محض سماجی، بلکہ ایک گہرا نفسیاتی اور باطنی عمل ہے جس میں انسان کو سب سے پہلے اپنے نفس کے مقابل کھڑا ہونا پڑتا ہے، نہ کہ کسی خارجی قوت کے، کیونکہ قرآن انسان کو ظاہر کی سطح سے اٹھا کر غیب کے شعور میں جینے کی دعوت دیتا ہے؛ اسی لیے اس کے بیان کردہ مراحل کو وہی شخص صحیح طور پر سمجھ سکتا ہے جو ان باطنی کیفیات—— جیسے خوفِ الٰہی، محبتِ الٰہی، احساسِ آخرت، اور خدائی مشن سے وابستگی—— کا عملی تجربہ رکھتا ہو، ورنہ یہ معانی محض الفاظ تک محدود رہتے ہیں؛ تاہم یہ باطنی عمل انسانی زندگی کے سماجی دائرے سے کٹا ہوا نہیں رہتا بلکہ دو پہلوؤں سے دوسروں سے جڑ جاتا ہے: ایک یہ کہ صاحبِ قرآن خود جس ہدایت پر چلتا ہے اسی کی دعوت دے کر داعی و مدعو کا تعلق قائم کرتا ہے، اور دوسرے یہ

CC BY

کہ باہمی تعلقات، معاملات، اختلافات اور میل جول کے مختلف مواقع پر قرآن اس کے رویّے کی رہنمائی کرتا ہے؛ چنانچہ اگر انسان اپنی خواہشات کا تابع رہے تو یہ قرآنی بصیرت اس پر منکشف نہیں ہوتی، لیکن جب وہ خود کو قرآن کے سپرد کر دیتا ہے تو اس پر ہدایت کے وہ اسرار کھلتے ہیں جو محض نظری مطالعے سے حاصل نہیں ہو سکتے۔

قرآن آدمی کو جو مشن دیتا ہے وہ حقیقتاً کوئی نظام قائم کرنے کا مشن نہیں ہے۔ بلکہ اپنے آپ کو قرآنی کردار میں ڈھالنے کا مشن ہے۔ قرآن کا اصل مخاطب فرد ہے نہ کہ سماج۔ اس لیے قرآن کا مشن فرد پر جاری ہوتا ہے نہ کہ سماج پر۔ تاہم افراد کی قابل لحاظ تعداد جب اپنے آپ کو قرآن کے مطابق ڈھالتی ہے تو اس کے سماجی نتائج بھی لازماً نکلنا شروع ہوتے ہیں۔ یہ نتائج ہمیشہ یکساں نہیں ہوتے بلکہ حالات کے اعتبار سے ان کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں۔ قرآن میں مختلف انبیاء کے واقعات انھیں سماجی نتائج یا سماجی رد عمل کے مختلف نمونے ہیں اور اگر آدمی نے اپنی آنکھیں کھول رکھی ہوں تو وہ ہر صورت حال کی بات قرآن میں رہنمائی پاتا چلا جاتا ہے۔۔ قرآن فطرت انسانی کی کتاب ہے۔ قرآن کو وہی شخص بخوبی طور پر سمجھ سکتا ہے جس کے لیے قرآن اس کی فطرت کا حصہ بن جائے۔

مولانا کے نزدیک تذکیر القرآن کی خصوصیات

مولانا صاحب نے تذکیر القرآن کی خصوصیات تفسیر کے مقدمہ میں یوں بیان کی ہیں:

تذکیر القرآن کا خاص مقصد قرآن کی یاددہانی ہے۔ قرآن کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ نصیحت ہے۔ تذکیر القرآن کی ترتیب میں سے زیادہ اس پہلو کا لحاظ کیا گیا ہے کہ وہ پڑھنے والے کے لیے نصیحت بن سکے۔

قرآن کا اسلوب عام انسانی کتب کی طرح ابواب وفصول پر مبنی نہیں بلکہ ''شذراتی'' ہے، یعنی اس کی آیات اور پیراگراف چھوٹے مگر جامع وحدات کی صورت میں ایک مکمل پیغام اپنے اندر سموئے ہوتے ہیں، اگرچہ اس کے اندر ایک گہری داخلی ترتیب بھی پائی جاتی ہے؛ اسی خصوصیت کو سامنے رکھتے ہوئے مولانا وحیدالدین خان نے تذکیر القرآن میں تفسیر کا ایسا منہج اختیار کیا ہے جس میں ہر قرآنی ٹکڑے کو الگ لے کر اس کی مسلسل اور مربوط تشریح پیش کی جاتی ہے تاکہ قاری کے ذہن میں معانی کا تسلسل برقرار رہے اور وہ تدریجی طور پر قرآنی تذکیر سے مستفید ہوتا چلا جائے، چنانچہ ترتیب یہ رکھی گئی ہے کہ پہلے متعلقہ آیت یا پیراگراف، پھر اس کا ترجمہ، اور اس کے بعد خطِ فاصل کے ذریعے اس کی توضیح درج کی جاتی ہے، اور یہی سلسلہ پوری سورت میں جاری رہتا ہے؛ اس طریقے سے قاری بیک وقت متن، ترجمہ اور تشریح کو سامنے رکھ کر پڑھتا ہے، جبکہ اس امر کا بھی اہتمام کیا گیا ہے کہ ہر جز میں ایک مکمل نصیحت سمٹ آئے تاکہ قلیل یا کثیر مطالعہ دونوں صورتوں میں ہدایت کا حصہ حاصل ہو سکے، مزید یہ کہ ترجمہ میں لفظی اور بامحاورہ اسلوب کے درمیان ایک معتدل طریقہ اختیار کیا گیا ہے تاکہ دقتِ معنی اور روانیِ بیان دونوں کی رعایت

قائم رہے۔ تفسیر میں عام طور پر تفصیل سے پرہیز کیا گیا ہے۔ زیادہ تر جو چیز پیش نظر رکھی گئی ہے وہ یہ کہ قرآن کی فطری سادگی اس کی تفسیر میں بھی باقی رہے۔ قرآن ایک طرف اللہ کے جلال کا اظہار ہے اور دوسری طرف وہ انسان کی عبدیت کا آئینہ ہے۔ تفسیر میں بس انھیں اصل پہلوؤں کو غیر فنی انداز میں نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔14

تذکیر القرآن پر ایک تنقیدی نظر

دنیا کی کوئی بھی چیز مکمل نہیں ہوتی جہاں انسان میں خوبیوں ہیں وہاں خامیوں کا پایا جانا اس کے انسان ہونے کی دلیل ہے۔ اور رہی بات انسان کی تخلیق کی جہاں انسان غلطیوں سے پاک نہیں وہاں اس کی تخلیق خامیوں سے کیسے مبرا ہو سکتی ہے۔ ہماری زیر نظر تفسیر میں بھی کچھ خامیاں ایسی ہیں جن کا ذکر کیا جانا اس مقالے کے لیے ضروری ہے۔ یہ خامیاں یا کمیاں جن کو زیر بحث لایا گیا ہے لازمی نہیں ہر بندہ اس سے اتفاق کرے ہو سکتا ہے کہ کسی کی نظر میں وہ خوبی ہو جو ہماری نظر میں خامی ہے ویسے کوشش کی گئی ہے کہ ان باتوں کو ہی تحریر میں لایا جائے جن کے بارے میں علماء حضرات بھی متفق ہوں۔

مدعا اور مفہوم اس تفسیر میں مدعا اور مفہوم کی رعایت رکھے بغیر بات کی گئی ہے۔ یعنی اس بات کا لحاظ نہیں رکھا گیا کہ اس آیت کا شان نزول کیا اور یہ کس مقصد کے لیے نازل ہوئی ہے یا اس میں سے کیا شرعی احکام مستنبط ہوتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ۔۔۔ فَكُلُوهُ هَنِيئًا مريئاً 15

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور خبر دار رہو قرابت والوں سے۔ بے شک اللہ تمھاری نگرانی کر رہا ہے۔ اور یتیموں کا مال ان کے حوالے کرو۔ اور برے مال کو اچھے مال سے نہ بدلو اور ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تم میموں کے معاملہ میں انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں سے جو تم کو پسند ہوں ان سے دو دو، تین تین، چار چار تک نکاح کر لو۔ اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کر دیا جو کنیز تمھاری ملک میں ہو۔ اس میں امید ہے کہ تم انصاف سے نہ ہٹو گے۔ اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو۔ پھر اگر وہ اس میں سے کچھ تمھارے لیے چھوڑ دیں اپنی خوشی سے دیں تو تم اس کو ہنسی خوشی سے کھاؤ۔

مذکورہ اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا وحید الدین خان کا منہج تفسیر روایتی فقہی یا تفصیلی مباحث کو زیرِ بحث لانا نہیں بلکہ آیات کے مرکزی اخلاقی اور تذکیری پیغام کو نمایاں کرنا ہے، اسی لیے انہوں نے انسانی وحدت، صلہ رحمی، یتیموں کے حقوق اور جواب

دہیِ آخرت جیسے بنیادی مضامین پر توجہ مرکوز رکھی، جبکہ نکاح کی تعداد، لونڈی کا حکم، رشتہ داری کی تفصیلات اور دیگر جزوی و فقہی مسائل کو دانستہ طور پر نظرانداز کیا۔ یہ دراصل ان کے اس اصول کا نتیجہ ہے کہ تفسیر کو دعوتی، اصلاحی اور قلبی اثرانگیزی کا ذریعہ ہونا چاہیے نہ کہ فقہی جزئیات یا قانونی تفصیلات کا مجموعہ،تاہم علمی و تحقیقی نقطۂ نظر سے یہ ایک قابلِ بحث پہلو ہے، کیونکہ قرآن کی جامع تفہیم کا تقاضا یہ بھی ہے کہ جہاں اخلاقی وروحانی ہدایات کو واضح کیا جائے وہاں عملی، فقہی اور معاشرتی احکام کی توضیح بھی کی جائے،تاکہ قاری کو دین کا ہمہ جہت تصور حاصل ہو سکے؛اس بناپر کہا جاسکتا ہے کہ مولانا کا منہج اپنی جگہ ایک مخصوص دعوتی ضرورت کو پورا کرتا ہے، مگر اس کے ساتھ دیگر تفسیری مناہج خصوصاً فقہی و تحلیلی اسلوب کی تکمیل بھی ناگزیر رہتی ہے تاکہ قرآن کے پیغام کی مکمل علمی و عملی تعبیر سامنے آسکے۔

اقامت دین کاالگ نظریہ

مولاناوحیدالدین خان کے نزدیک دین حقیقتاً آدمی کی زندگی کا نقشہ ہے۔آدمی کا اپناوجود جس کے ساتھ وہ صبح وشام جی رہاہے۔ جس کو لے کر وہ پیداہوتا ہے اور جس کو لے کر وہ مر جاتا ہے۔اس کے وجود کو دین دار بنانااور اس کو ہمہ تن اللہ کی مرضی کے مطابق ڈھال لیناہی دراصل اقامت دین ہے۔[16] اسی بات کو بیان کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

> **اقیمو ا الدین** سے مراد زمین دین کو زمین پر قائم کرنا نہیں ہے بلکہ اس کو خود اپنے آپ پر قائم کرنا ہے ۔اس سے مراد احتساب خویش ہے نہ کہ احتساب غیر۔اس سے مراد خود اپنے آپ کو خدا کے حکم کے تابع کرنا ہے نہ کہ دوسرون کو خدا کے تابع بنانے کے نام پر ان سے جنگ چھیڑنا۔اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کی آنکھیں اللہ کی یاد سے آنسو بہانے لگیں نہ کہ دوسروں کے اوپر تلوار چلا کر ان کا خون بہائیں۔ **اقیموا الدین** کا مطلب اپنی دنیا کو معرفت الٰہی سے آباد کرنا ہے نہ کہ خدائی حکومت قائم کرنے کے نام پر دنیا کو تشدد اور نفرت کا جنگل بنانا۔ **اقیموا الدین** کا مطلب ہے اپنے اندر ربانی شخصیت کی تعمیر کرنا نہ آدمی اطاعت رب کا نظام کرنے کی خاطر ساری دنیا کو نفرت اور فساد سے بھر دے۔[17]

مولانا کی یہ تعبیر روایتی اسلامی فکر اور کلاسیکی تفسیری مناہج سے بعض پہلوؤں میں مختلف نظر آتی ہے،اور اسی بناپر ان پر علمی تنقید بھی کی جاتی ہے۔جمہور مفسرین اور اسلامی تحریکات کے علماء کے نزدیک "**اقیموا الدین**" کا مفہوم صرف انفرادی اصلاح یا روحانی تربیت تک محدود نہیں بلکہ اس میں اجتماعی، معاشرتی،اور نظامی پہلو بھی شامل ہیں۔قرآنِ مجید میں دین کو محض ذاتی عبادت یاروحانی تعلق تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ اسے ایک مکمل ضابطۂ حیات کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جو عقائد، عبادات، اخلاق، معیشت، سیاست، معاشرت،اور عدلِ اجتماعی سب کو محیط ہے۔اسی لیے بہت سے علماء کے نزدیک "اقامتِ دین" کا مفہوم یہ

CC BY

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X
Publication Date: 15-03-2026

بھی ہے کہ اجتماعی زندگی میں اللہ کے احکام کو نافذ کیا جائے، عدل قائم کیا جائے، ظلم کا خاتمہ کیا جائے، اور ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جائے جو اسلامی اصولوں کے مطابق ہو۔

تنقیدی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو مولانا وحید الدین خان نے "اقامتِ دین" کے اجتماعی اور سیاسی پہلو کو نسبتاً کمزور کر کے اس کے روحانی اور فردی پہلو کو زیادہ نمایاں کیا ہے۔ ان کے ناقدین خصوصاً اسلامی تحریکات سے وابستہ علماء یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآنِ مجید میں دین کے قیام کا تصور صرف باطنی اصلاح تک محدود نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کی جدوجہد میں اجتماعی اصلاح، عدلِ اجتماعی، اور معاشرتی تبدیلی بھی شامل رہی ہے۔ قرآن حکیم کا مطالعہ کیا جائے تو اقامت دین سے مراد صرف اپنی ذات پر دین کا قیام نہیں بلکہ دوسروں کو بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ترغیب کا حکم دیا گیا ہے۔ جس سے مولانا نے اس نظریہ کا واضح رد ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ [18]

ترجمہ": تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔"

اس آیتِ مبارکہ میں امتِ مسلمہ کی فضیلت کو اس کے دعوتی، اصلاحی، اور اخلاقی کردار کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ یعنی مسلمانوں کی "خیرِ امت" ہونے کی بنیاد محض نسلی یا مذہبی نسبت نہیں بلکہ یہ ہے کہ وہ معاشرے میں نیکی، عدل، اخلاق، اور حق کو فروغ دیں اور برائی، ظلم، فساد، اور گمراہی سے روکنے کی ذمہ داری ادا کریں۔ مفسرین کے نزدیک "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" صرف فردی نصیحت تک محدود نہیں بلکہ اس میں اجتماعی اصلاح، اخلاقی تربیت، اور معاشرتی خیر خواہی بھی شامل ہے۔ تاہم اس فریضے کی ادائیگی میں حکمت، نرمی، عدل، اور شرعی حدود کی پابندی ضروری ہے، تاکہ اصلاح کے نام پر شدت، فساد، یا نفرت پیدا نہ ہو۔

مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے خلاف جدوجہد، نبی کریم ﷺ کی مدنی ریاست، اور قرآن میں "لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ [19]" جیسے تصورات اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اسلام کا پیغام انفرادی تزکیہ کے ساتھ اجتماعی نظام کی اصلاح بھی چاہتا ہے۔ ان ناقدین کے نزدیک اگر "اقامتِ دین" کو صرف شخصی اصلاح تک محدود کر دیا جائے تو دین کا اجتماعی اور تمدنی پہلو متاثر ہو جاتا ہے۔ جب تک اسلام کو بطور نظام نافذ نہ کیا جائے اقامت دین کا مفہوم پورا نہیں ہو سکتا۔ قرآن حکیم میں واضح حکم موجود ہے۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ۔ [20]

حکم صرف اللہ کا ہے۔

اس بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حاکمیت صرف اللہ ہی کے لیے ہے اور خلافت و حکومت کا مقصد درحقیقت اقامت دین

ہی ہے۔اور خلافت و حکومت کے قیام کے بغیر ہم دین کی ان اساسی و مشترکہ تعلیمات پر بھی مکمل طور پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے، جو بقول مولانا وحیدالدین خان کے ہاں مراد لیا گیا ہے۔

مولانا کا اکابر امت سے الگ نظریہ تکفیر

مولانا وحیدالدین خانؒ کسی فرد یا گروہ کی تکفیر کے قائل نہیں تھے۔ان کے نزدیک کافر کی اصطلاح ہی غلط ہے، کافر کا معنٰی انکار کرنے والا ہے اور انکار تب متحقق ہو گا جب دعوت کو مکمل طور پر مخاطب تک پہنچا دیا جائے بایں طور کہ مخاطب پر اتمام حجت ہو جائے۔ جبکہ مولانا کے مطابق امت مسلمہ ابھی تک دعوتی فریضہ سے غافل ہے اور اس نے دعوت کے پیغام کو جاری ہی نہیں کیا۔مولانا کہتے ہیں اتمام حجت صرف نبی کے دور میں ہی ممکن تھی بعد کے ادوار میں ہم محض کوشش کر سکتے ہیں۔ لہذا جب اتمام حجت نہیں پائی جاتی تو کسی کی تکفیر بھی نہیں کی جا سکتی۔

اتمام حجت کے علاوہ مولانا کا ایک اہم استدلال یہ ہے کہ کفر کے فعل کا تعلق نیت سے ہے اور نیت کا علم محض اللہ تعالیٰ کو ہے اس لیے بحیثیت مسلم ہم کسی کی تکفیر نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہمیں کسی کو کافر کہنے کی بجائے غیر مسلم کہہ کر مخاطب کرنا چاہئے۔ کسی فرد یا مجموعہ افراد کے بارے میں متعین طور پر یہ اعلان کرنا کہ وہ کافر ہو چکے ہیں عام لوگوں کے لیے جائز نہیں۔ کفر کے فعل کا تعلق حقیقتاً نیت سے ہے اور نیت کا حال صرف اللہ کو معلوم ہے۔اس لیے متعین اور مشخص طور پر کسی کے بارے میں یہ اعلان کرنا کہ وہ کافر ہو گیا ہے خالصتاً اللہ کا کام ہے یا اللہ کے دیے ہوئے علم کی بنا پر پیغمبر کا کام۔ چنانچہ قرآن میں صرف ایک ایسا حوالہ ہے جہاں قدیم زمانہ کے کچھ لوگوں کو متعین طور پر کافر قرار دے کر کہا گیا کہ : قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۔[21] اس انداز کا مشخص خطاب قرآن میں کسی بھی دوسرے گروہ کے لیے نہیں آیا ہے۔یعنی قرآن میں اس ایک استثنا کو چھوڑ کر فعل کفر کا ذکر تو ہے مگر مشخص طور پر کسی کو فاعل کفر کا درجہ نہیں دیا گیا۔[22]

مولانا وحیدالدین خانؒ کے نزدیک کافر ایک کردار ہے، کافر کسی گروہ کا قومی لقب نہیں۔ کسی گروہ کو کافر قرار دینا کوئی آسان کام نہیں۔ کسی کو کافر قرار دینے کا مطلب ہے کہ کسی کو انکار کی بناء پر ڈس کریڈٹ کرنا اور دوسرے کو اس کے دعوتی عمل کی بناء پر کریڈٹ دینا ہے۔ کریڈٹ اور ڈس کریڈٹ کا یہ معاملہ فتویٰ یا بیان کے ذریعے نہیں ہوتا۔ یہ ایک نہایت سنجیدہ دعوتی محنت کا طالب ہے۔[23]

مولانا کے ان نظریات کا نقل و عقل سے رد

قرآن مجید میں کسی کے کفر کے مرتکب ہونے کو مختلف اسماء وافعال کی صورت میں بیان کیا گیا ہے، صرف کلمہ کذب کو ہی دیکھا جائے تو یہ مختلف طریقوں سے استعمال ہوا ہے۔ مثلا

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X
Publication Date: 15-03-2026

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا[24]، تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ[25]، كَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ[26]، فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ[27]، كَذَّبَ بِالْحَقِّ[28]، هُمُ الْكَاذِبُونَ[29]، وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهَذَا الْحَدِيثِ[30]۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں ہی مسیلمہ اور اسود عنسی کو کذاب کہا اور قیامت تک آنے والے تمام جھوٹے مدعیان نبوت کو کذاب ودجال کہا۔

قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے کسی کے کفر کو واضح کرنے اور تکفیر کے لیے کلمہ کفر کے مختلف صیغوں اور صورتوں کو استعمال فرمایا ہے، مثلاً قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ[31]، اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ[32]، اشْتَرَوُا الْكُفْرَ[33]۔ جمہور علماء و مفکرین ان الفاظ سے غیر مسلموں کا کفر مراد لیتے ہیں جبکہ مولانا وحید الدین خان مسلمہ روایتی فکر کے بر خلاف اپنی عقلی تاویلات کے گھوڑے دوڑاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ[34]

سورۃ المائدہ کی اس آیت سے جمہور مفکرین کفر ہی مراد لیتے ہیں جبکہ مولانا وحید الدین خان اس آیت کے مفہوم میں اپنی عقلی تاویل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہ خدا کی حاکمانہ حیثیت کا انکار کرنے والے ہیں، وہ حق کے تلف کرنے والے ہیں، وہ اطاعت خداوندی کے عہد سے نکل جانے والے، حکم شریعت کو جان بوجھ کر نظر انداز کرنے کے بعد آدمی کی کوئی حیثیت خدا کے یہاں باقی نہیں رہتی"۔[35]

اس طرح کی دیگر آیات میں بھی جہاں "کفر" کا صیغہ استعمال ہوا ہے مولانا وہاں غیر مسلموں کی تکفیر کی بجائے دیگر محتمل معانی مراد لیتے ہیں اور تکفیر کے معانی کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

محمد عرفان[36] اپنے تحقیقی مقالہ میں لکھتے ہیں:

غیر مسلموں کی تکفیر کے متعلق روایتی مذہبی فکر کا اصولی مؤقف یہ ہے کہ اگر کسی فرد میں کفر اکبر کی تمام علامات پائی جاتی ہیں تو علماء کے منصب کا بنیادی تقاضا ہے کہ اس کے کفر کا اعلان کیا جائے۔ عوام الناس کو اس کے کفر سے باخبر کیا جائے تاکہ ارتکاب کفر کی صورت میں متعلقہ فرد یا اس کے متعلقین پر جو احکام لاگو ہوتے ہیں انہیں واضح کیا جا سکے۔ کسی کی تکفیر یا کسی کو کافر، ملحد اور مرتد وغیرہ قرار دینا کوئی توہین نہیں اور نہ ہی یہ القاب کسی پر زبردستی تھونپے جاتے ہیں بلکہ یہ شرعی احکام ہیں اور کسی فرد یا جماعت کے عقائد کی بنیاد پر

CC BY

متعین کئے جاتے ہیں۔اس لئے ان کو انتہا پسندی یا سب و شتم قرار دینا جہالت اور بذات خود انتہا پسندی ہے ۔[7] علماء جب کسی فرد یا جماعت کی تکفیر کرتے ہیں تو وہ کسی کو زبردستی کافر نہیں بنا رہے ہوتے بلکہ کافر وہ انسان خود اپنے عقائد و افعال کی وجہ سے ہوتا ہے علماء محض اس کی نشاندہی اور اعلان کرتے ہیں۔[37]

حدیث مبارکہ میں بھی ہے کہ قرب قیامت دابۃ الارض کے خروج کے بعد مسلمان کافروں کو "یا کافر" کہہ کر پکاریں گے۔ سنن ترمذی کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تَخْرُجُ الدَّابَّةُ مَعَهَا خَاتَمُ سُلَيْمَانَ وَعَصَا مُوسَى فَتَجْلُو وَجْهَ الْمُؤْمِنِ وَتَخْتِمُ أَنْفَ الكَافِرِ بِالخَاتَمِ، حَتَّى إِنَّ أَهْلَ الخُوَانِ لَيَجْتَمِعُونَ فَيَقُولُ: هَاهَا يَا مُؤْمِنُ، وَيُقَالُ: هَاهَا يَا كَافِرُ، وَيَقُولُ: هَذَا يَا كَافِرُ وَهَذَا يَا مُؤْمِنُ " [11]

"دابہ نکلے گا تو اس کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہو گا۔وہ مومن کے چہرے کو روشن کر دے گا اور کافر کی ناک پر انگوٹھی سے مہر لگا دے گا یہاں تک کہ جب دستر خوان پر لوگ جمع ہوں گے تو وہ کہیں گے اے مومن ! اور یہ کہیں گے اے کافر !۔"

یہ حدیث بھی روایتی مذہبی فکر کا اہم متدل ہے۔اس لیے کسی فرد یا گروہ کی تکفیر کرنا جائز ہے جبکہ تکفیر کے اس عمل کی بنیاد ثقہ علماء کی اجماعی آراء پر مبنی ہو، نیز یہ کہ کسی مسلم کو کافر قرار دینا اور کافر کی تکفیر کو ناجائز قرار دینا دونوں ہی غیر معتدل رویے ہیں۔

محمد عرفان اور احسان رحمان غوری[38] اپنے مقالہ "غیر مسلموں کی تکفیر: مولانا وحید الدین خان کا اصولی مؤقف میں لکھتے ہیں:

غیر مسلموں کی تکفیر کے حوالے سے ایک اہم بحث اتمام حجت کی ہے۔ روایتی مذہبی فکر کے نزدیک غیر مسلموں کی تکفیر کے لیے محض ابلاغ کا پایا جانا لازم ہے۔اگر ابلاغ ہو چکا اور مخاطب اس کے باوجود اپنی سابقہ روش پر قائم ہے تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔ کیونکہ اب دین اسلام مکمل ہو چکا ہے، نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت جامع، کامل، آفاقی، ابدی اور خاتم ہے۔آپؐ کی نبوت و رسالت کو کسی خاص زمانے تک یا محض کسی خاص گروہ کو ہی براہ راست مخاطب قرار دے کر قرآن کے احکامات کو زمان و مکان و گروہوں کیساتھ مختص نہیں کیا جا سکتا۔آج بھی اگر کسی تک محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پہنچ جائیں اور وہ ان پر ایمان نہ لائے تو وہ اپنے کفر و شرک کا اقرار کرے یا نہ کرے وہ کافر ہی قرار پائے گا۔رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پہنچنے کی صورت میں اس پر اتمام حجت ہو چکا۔[39]

قرآنی وعظ

اس تفسیر کو تفسیر کسی بھی صورت میں نہیں کہا جا سکتا کیونکہ تفسیر ہونے کے لیے لازم ہے کہ ہر چیز کی وضاحت بیان کی جائے

CC BY

،الفاظ کی تحقیق بتائی جائے، ناسخ اور منسوخ کی بحث بتائی جائے، شانِ نزول زیر بحث لائی جائے۔اس میں ایسی کوخوبی نہیں ہے اسے اگر کہا جاسکتا ہے تو صرف ایک قرآنی وعظ۔یعنی وعظ کے متعلق جو بھی آیات تھیں ان کی تشریح وتفصیل کی گئی باقی کی تمام آیات کو نظر انداز کر دیا گیا۔

وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللّٰهِ ۔۔۔۔وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ 40

اور جب اللہ پوچھے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا کے سوا معبود بنالو۔۔۔اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ اقتباس قیامت کے تصور کو ایک کھلے انکشافِ حقیقت کے طور پر بیان کرتا ہے، جہاں علم کسی استدلال یا بحث کا محتاج نہیں رہتا بلکہ خود مشاہدہ بن جاتا ہے، اور انسان پر یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حاکمیت، اختیار اور عبادت صرف اللہ کے لیے خاص ہے۔اس تناظر میں انبیاء سے سوال کا ذکر دراصل جواب طلبی کے لیے نہیں بلکہ لوگوں پر اتمام حجت اور ان کے بنائے ہوئے خود ساختہ دینی تصورات کے بطلان کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ قیامت کا ماحول اس قدر واضح ہوگا کہ حقائق خود اپنی گواہی دیں گے، اور انسان کے لیے کسی انکار یا تاویل کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔اسی تصور کے مطابق دنیا کو ایک امتحان گاہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے جہاں انسان کو آزادی دی گئی ہے تاکہ وہ اپنے عمل سے اپنی حقیقت ظاہر کرے۔ یہاں یہ امکان بھی موجود ہے کہ لوگ مذہب کے نام پر ایسے نظریات تشکیل دے لیں جو اصل پیغامِ نبوت سے مختلف ہوں، اور وقتی طور پر انہیں کامیابی بھی حاصل ہو جائے، لیکن قیامت میں اصل معیار ظاہری دعوے نہیں بلکہ سچائی اور عملی صداقت ہوگی۔ اس لیے آسمانی کتابوں کے پیروکاروں کا اصل امتحان ایمان کا دعویٰ نہیں بلکہ اس دعوے کو عملی اور اخلاقی سطح پر ثابت کرنا ہے، اور یہی وہ معیار ہے جس پر آخرت میں انسان کی اصل حیثیت متعین ہوگی۔ 41

ان آیات کی تفسیر کو شروع سے آخر تک پڑھ جائیں تو آپ کو صرف یہ معلوم ہوگا کہ یہ صرف ایک وعظ ہے۔ کہیں سے بھی یہ تفسیر نظر نہیں آئے گی کیونکہ نہ اس میں عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کے بارے میں بتایا گیا ہے اور نہ ہی حضرت عیسیٰ کے اللہ تعالیٰ سے مکالمے کے بارے میں کوئی وضاحت کی گئی ہے حالانکہ یہ آیات اتاری ہی ان دونوں مقاصد کے لیے گئی تھیں۔

شریعت اور اجتماعی احکام اس تفسیر میں شریعت کے احکامات اور وہ احکام جن کا تعلق انسانوں کی اجتماعی زندگی سے تھا یعنی اجتماعی احکام کو یکسر نظر انداز کیا گیا ہے۔ کیونکہ تفسیر کا مقصد احکام کو سمجھنا ہوتا ہے۔ قاری جو عربی نہیں جانتا یا اس کے اندر سمجھ کا فقدان ہو تو وہ کسی عالم کی تفسیر پڑھتا ہے۔اگر اسے اپنے مسائل کا تسلی بخش جواب نہ ملے تو ایسی تفسیر اس کے لیے بے کار ہوتی ہے

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X
Publication Date: 15-03-2026

بعینہ یہ معاملہ تذکیر القرآن کے معاملے میں بھی ہے یعنی جہاں بھی شرعی یا اجتماعی احکامات تھے اور ضروری تھا کہ اسے تفصیل سے بیان کیا جاتا مگر اس کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیت کریمہ کی تفسیر دیکھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ۔۔۔ وَأَن تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ [42]

تمھارے اوپر حرام کی گئیں تمھاری مائیں تمھاری بیٹیاں۔۔۔اگر تم ضبط سے کام لو تو یہ تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے، اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

ان تین آیات میں مندرجہ ذیل احکامات مستنبط ہوتے ہیں:

حرمت نکاح، رضائی بہنوں کا مسئلہ، شادی کی استطاعت نہ رکھنے والے کا مسئلہ، لونڈی سے نکاح کا مسئلہ، آزادی اور لونڈی کے درمیان فرق

مہر کا مسئلہ، مہر میں چھوٹ کا مسئلہ، لونڈی کی سزا کا مسئلہ وغیرہ۔ انسان کے اندر فطری جذبات، خصوصاً مرد و عورت کے درمیان جنسی جذبہ، موجود ہوتا ہے، اور شریعت ان تمام جذبات کو مکمل طور پر ختم نہیں کرتی بلکہ ان کے لیے حدود اور ضابطے مقرر کرتی ہے تاکہ ان کی تسکین ایک ذمہ دار اور سنجیدہ معاشرتی معاہدے یعنی نکاح کے ذریعے ہو۔ اسی طرح شریعت خاندانی نظام کے تقدس کو برقرار رکھنے کے لیے بعض قریبی رشتوں کو حرمت میں رکھتی ہے تاکہ خاندان میں اخلاقی پاکیزگی اور حدود قائم رہیں۔ اس کے ساتھ قرآن یہ تصور بھی واضح کرتا ہے کہ انسان کی اصل قدر و منزلت ظاہری حیثیت یا سماجی معیار نہیں بلکہ وہ ایمان ہے جو اللہ کے علم میں ہوتا ہے، اور حقیقی فیصلہ آخرت میں ہوگا، جس کا نتیجہ انسان کو تکبر اور برتری کے احساس سے آزاد کر کے اجتماعی اخلاقی اصلاح کی طرف لے جاتا ہے۔43

نظم قرآن

مولانا صاحب کہتے ہیں کہ قرآن کی زبان ایک سادہ زبان ہے جس کو ہر کوئی شخص سمجھ سکتا ہے چونکہ قرآن کا مخاطب انسان ہے اس لیے اگر انسان کو ہی اس کے معانی سمجھنے میں مشکل پیش آئے تو ایسی کتاب کا کیا کرنا۔[44]

اگر مولانا کی اوپر والی بات درست مان لی جائے تو دو سوال اٹھتے ہیں۔ پہلا یہ کہ پھر علماء نے جو اتنی زیادہ تفاسیر لکھی ہیں یہ کیوں لکھی ہیں۔ دوسرا یہ کہ پھر ان کی اپنی تفسیر کا مقصد کیا ہے۔ ویسے بھی دیکھا جائے تو خود مولانا صاحب کی تفسیر میں بھی ترجمہ کرتے ہوئے سیاق وسباق کا خیال رکھا گیا ہے۔ جہاں الفاظ کے معانی کئی ہو سکتے تھے صرف وہی لیے گئے ہیں جو اس جگہ پر ضروری تھے۔

خلاصہ بحث

مولانا وحید الدین خان پر یہ تنقید کی جاتی ہے کہ انہوں نے بعض مقامات پر جمہور اہلِ سنت کے مسلمہ نظریات اور روایتی تفسیری مناہج سے ہٹ کر اپنے عقلی استدلالات کو زیادہ اہمیت دی، جس کے نتیجے میں ان کی بعض تعبیرات اہلِ علم کے نزدیک محلِ اختلاف بن گئیں۔ خصوصاً دین کی سیاسی تعبیر، جہاد، اقامتِ دین، تکفیر اور اسلامی نظام سے متعلق ان کے افکار کو ناقدین نے جمہوری اسلامی فکر سے انحراف قرار دیا۔ ان کے نزدیک اسلام کا اصل میدان فرد کی اصلاح اور دعوت ہے، جبکہ اجتماعی و سیاسی جدوجہد کو انہوں نے ثانوی حیثیت دی، حالانکہ جمہور علماء اسلام کو ایک ہمہ گیر نظامِ حیات تصور کرتے ہیں جس میں فرد اور معاشرہ دونوں شامل ہیں۔ اسی طرح بعض ناقدین کے مطابق مولانا نے عقل اور عصری تقاضوں کی رعایت میں بعض ایسی تاویلات اختیار کیں جو روایتی تفسیری اصولوں اور سلفی منہج سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ چنانچہ ان کے عقلی اسلوب نے جہاں جدید تعلیم یافتہ طبقے کو متاثر کیا، وہاں روایتی دینی حلقوں میں ان کے افکار پر سنجیدہ علمی تنقید بھی سامنے آئی۔

مصادر و مراجع

1 ۔ماہنامہ تذکیر، (دہلی: اسلامک سنٹر، شمارہ2، فروری2006ء)، 19/2-3
2 ۔القرآن: 17/88
3 ۔ماہنامہ تذکیر، شمارہ2، فروری2006ء، 19/6
4 ۔ماہنامہ تذکیر، شمارہ2، فروری2006ء، 19/39، میں دعوتی سفر کے عنوان سے مضمون
5 ۔ڈاکٹر حسن عثمانی، مولانا وحید الدین خان علماء اور دانشوروں کی نظر میں، 105
6 ماہنامہ تذکیر، شمارہ2، فروری2006ء، 19/10
7 ۔نفس مصدر: ص11
8 ۔وحید الدین خان، مذہب اور سائنس، (نیو دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، 2001ء)، 23۔
9 ۔وحید الدین خان، تعبیر کی غلطی، (نئی دہلی، الرسالہ، تیسرا ایڈیشن: 1995ء)، 14-15۔
10 ۔ماہنامہ تذکیر، شمارہ2، فروری2006ء، 19/9
11 ۔ماہنامہ تذکیر، میں دعوتی سفر کے عنوان سے مضمون۔ شمارہ2، فروری2006ء، 19/39
12۔ڈاکٹر حسن عثمانی، مولانا وحید الدین خان علماء اور دانشوروں کی نظر میں، ص105
13 ۔القرآن: 2/165۔
14 ۔وحید الدین خان، تذکیر القرآن (نئی دہلی: گڈورڈس، 2002ء)، 1/1312۔

CC BY

15 ۔القرآن:4/1-4

16۔مولانا وحید الدین خان،دین وشریعت (نئی دہلی: گڈورڈس،2004ء)،،ص10

17۔نفس مصدر،11-12

18۔القرآن:110/3

19۔القرآن:25/57

20۔القرآن:40/12

21۔القرآن:1/109

22۔وحید الدین خان،تذکیر القرآن (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ،2010ء)ص992

23۔وحید الدین خانؒ،دعوت اسلام (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ،2001ء)،ص48

24۔القرآن:11/3

25۔القرآن:9/82

26۔القرآن:9/92

27۔القرآن:37/29

28۔القرآن:68/29

29۔القرآن:105/16

30القرآن:44/68

31۔القرآن:74/9

32۔القرآن:23/9

33۔القرآن:177/3

34القرآن:44/5

35۔وحید الدین خان،تذکیر القرآن،263

36۔پی ایچ ڈی سکالر،شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

37۔محمد عرفان،غیر مسلموں کی تکفیر: مولانا وحید الدین خان کا اصولی،(الاضواء،شیخ زاید اسلامک سنٹر،لاہور،ج37،ش58،2022ء)،107

38۔ایسوسی ایٹ پروفیسر،شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

39۔محمد عرفان،غیر مسلموں کی تکفیر: مولانا وحید الدین خان کا اصولی،الاضواء،110

40 ۔القرآن:5/116-120۔

CC BY

Scholar Insight Journal
https://scholarinsightjournal.com/
Volume.4, Issue.1 (Jan-Mar-2026)
Acceptance Date26-02-2026

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X
Publication Date: 15-03-2026

41 ۔خان، تذکیر القرآن، 1/ 294-295۔

42 - القرآن:4:23-25

43 ۔خان، تذکیر القرآن، 1/ 186

44 ۔ماہنامہ تذکیر، ص19، جلد20، شمارہ3، مارچ2006۔

References

1. . Monthly Tazkir, (Delhi: Islamic Center, Issue 2, February 2006), 19/2-3
2. . Al-Quran: 88/17
3. . Monthly Tazkir, Issue 2, February 2006, 19/6
4. . Monthly Tazkir, Issue 2, February 2006, 19/39, Article titled Da'wah Journey
5. . Dr. Hassan Usmani, Maulana Wahiduddin Khan in the Eyes of Scholars and Intellectuals, 105
6. Monthly Tazkir, Issue 2, February 2006, 19/10
7. . Nafs Masdar: p. 11
8. . Wahiduddin Khan, Religion and Science, (New Delhi: Ghalib Institute, 2001), 23.
9. . Wahiduddin Khan, Mistake of Interpretation, (New Delhi, Al-Risala, Third Edition: 1995), 14-15.
10. . Monthly Tazkir, Issue 2, February 2006, 19/9
11. . Article titled Da'wah Journey in Monthly Tazkir, Issue 2, February 2006, 19/39
12. . Dr. Hassan Usmani, Maulana Wahiduddin Khan in the Eyes of Scholars and Intellectuals, p. 105
13. . Al-Quran: 2/ 165.
14. . Wahiduddin Khan, Tazkir Al-Quran (New Delhi: Good Words, 2002), 1/ 12 13.
15. . Al-Quran: 4/1-4
16. . Maulana Wahiduddin Khan, Din wa Shariat (New Delhi: Good Words, 2004), p. 10
17. . Nafs Masdar, 11-12
18. . Al-Quran: 3/110
19. . Al-Quran: 57/25
20. . Al-Quran: 12/40
21. . Quran: 109/1
22. Wahiduddin Khan, Tazkir Quran (New Delhi: Maktaba-ur-Risala, 2010) p. 992
23. Wahiduddin Khan, Da'wat-e-Islam (New Delhi: Maktaba-ur-Risala, 2001), p. 48
24. Quran: 3/11
25. Quran: 82/9
26. Quran: 92/9
27. Quran: 29/37
28. Quran: 29/68
29. Quran: 16/105
30. Quran: 68/44
31. Quran: 9/74
32. Quran: 9/23
33. Quran: 3/177

Scholar Insight Journal
https://scholarinsightjournal.com/
Volume.4, Issue.1 (Jan-Mar-2026)
Acceptance Date26-02-2026
HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X
Publication Date: 15-03-2026

34. Quran: 5/44
35. Wahiduddin Khan, Tazkir Quran, 263
36. PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Punjab University, Lahore
37. Muhammad Irfan, Takfir of Non-Muslims: The Principles of Maulana Wahiduddin Khan, (Al-Azwa, Sheikh Zayed Islamic Center, Lahore, Vol. 37, No. 58, 2022), 107
38. .Associate Professor, Department of Islamic Studies, Punjab University, Lahore
39. .Muhammad Irfan, Takfir of Non-Muslims: The Principles of Maulana Wahiduddin Khan, Al-Azwa, 110
40. .Al-Quran: 5/116-120.
41. .Khan, Tazkeer-ul-Quran, 1/ 294-295.
42. Al-Quran: 4: 23-25
43. .Khan, Tazkeer-ul-Quran, 1/ 186
44. . Monthly Tazkeer, p. 19, Vol. 20, No. 3, March 2006.